عوام الناس کے ذہنوں میں پائے جانے والے سوالات اور اُن کے جوابات

تصوف کی حقیقت

- تصوف وسلوک کیا ہے؟
- پیرو مُرشِد ضروری کیوں؟
- بیعت سے کیا مُراد ہے؟
- کیا ہر شخص کو پیر بنایا جا سکتا ہے؟
- صوفیائے کرام اور جہاد
- نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ اور قادریہ سِلسِلوں کی حقیقت
- تصوف کے سلاسل کے ذکر کے طریقے بدعت نہیں؟
- تصوف وسلوک کا لفظ اور قرآن وحدیث

تقریظ

حضرت مولانا سیّد ظفر علی شاہ رستمی صاحب دامت برکاتہم
(خلیفہ مجاز حضرت مفتی محمد فرید زروبوی رحمۃ اللہ علیہ)

مؤلف

علاؤالدین عفی عنہ

عوام الناس کے ذہنوں میں پائے جانے والے چند بنیادی سوالات کے جوابات پر مشتمل مختصر رسالہ

تصوف کی حقیقت

تقریظ

حضرت مولانا سیّد ظفر علی شاہ رستمی صاحب دامت برکاتہم
(خلیفہ مجاز حضرت مفتی محمد فرید زروبوی رحمۃ اللہ علیہ)

مؤلف

علاؤالدین عفی عنہٗ

تصوف وسلوک کیا ہے؟
نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ اور قادریہ سِلسِلوں کی حقیقت
تصوف کے سلاسل کے ذکر کے طریقے بدعت نہیں؟
تصوف وسلوک کا لفظ اور قرآن وحدیث

پیرومُرشِد ضروری کیوں؟
بیعت سے کیا مراد ہے؟
کیا ہر شخص کو پیر بنایا جا سکتا ہے؟
صوفیائے کرام اور جہاد

جملہ حقوق طباعت واشاعت محفوظ ہیں

نام کتاب: تصوف کی حقیقت

مرتب: علاؤالدین عفی عنہٗ

تعداد: ۱۴۰۰

اشاعت: اوّل

تاریخ: اکتوبر **2015**ء بمطابق محرم الحرام ۱۴۳۷ ہجری

قیمت:

ملنے کا پتہ: (۱) خانقاہِ فریدیہ اخون بابا، رُستم، ضلع مردان
(۲) مکتبہ ختمِ نبوت، عبدالغنی پلازہ، محلّہ جنگی پشت قصہ خوانی بازار پشاور
(۳) مذہبی کتب خانہ، محلّہ جنگی، پشت قصہ خوانی بازار پشاور

برائے رابطہ: 03159145806
03339063346

تفصیلی فہرست مضامین

دیباچہ

دورِ حاضر میں دینِ اسلام کے انتہائی اہم شعبے تصوف وسلوک سے متعلق عوام الناس کے ذہنوں میں بہت سے شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں۔ اِس مختصر رسالے میں عام فہم انداز میں چند بنیادی سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اُمید ہے یہ رسالہ عوام الناس اور علماء وطلباء کے لئے یکساں مفید ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ

بندہ کی اِس تالیف کا کچھ حصہ ''یادگار سفر'' (مرتب: مولانا محمد الیاس صاحب مدظلہٗ) میں شائع ہو چکا ہے لیکن موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر اب اِسے مزید اضافوں سے الگ شائع کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اِس کاوش کو اپنے دربار میں قبول فرما کر اپنی رضائے کاملہ عطا فرمائے۔ آمین

علاؤالدین عفی عنہٗ

ایک گزارش

زندگی انتہائی مختصر ہے اور ہم دن بہ دن موت کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ لہٰذا اِس مختصر سی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق زندگی گزار کر اُس کو راضی کرنا انتہائی ضروری ہے۔ گناہوں سے پاک زندگی گزارنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی صحبت اختیار کرنا نہایت اہم ہے۔ تمام قارئین سے میری گزارش ہے کہ شریعت کے پابند اولیاء اللہ کی مجالس میں عقیدت، محبت اور اصلاح کی نیت سے ضرور جایا کریں تا کہ مرنے سے قبل اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے۔ آمین ثم آمین

تقریظ

سیّدی ومرشدی حضرت مولانا سید ظفر علی شاہ مجددی رستمی صاحب دامت برکاتہم

(خلیفہ مجاز مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد فرید زروبوی رحمۃ اللہ علیہ)

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

قرانِ پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **”وَالَّذِینَ جَاهَدُو فِینَا لَنَهدِیَهُم سُبُلَنَا“** یعنی جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں (دینِ اسلام کی سربلندی کے لئے یا اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے) تو ہم اُن کے لئے (کامیابی) کے راستے کھول دیں گے۔ جہاد کی ایک قسم تو کفار کے ساتھ قتال ہے اور دوسری قسم اپنے نفس کے ساتھ جہاد ہے جسے جہادِ اکبر بھی کہا گیا ہے۔ حضرت مفتی محمد فرید رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے بہت سے راستے ہیں لیکن تصوف اُس میں شاہراہ کی طرح ہے۔

نبی کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے صحابہ کرام کو تصحیح نیت اور احسانی کیفیات حاصل تھیں۔ آپ ﷺ کے زمانہ سے جتنی دوری آتی گئی شر غالب ہوتا گیا۔ چنانچہ بزرگانِ دین نے اِس بات کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ذکر کے مختلف طریقے تجویز کئے۔ اِن تمام طریقوں کی اصل شریعت میں موجود ہے۔ جس طرح درسِ نظامی وغیرہ کی ترتیب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانے میں موجود نہیں تھی لیکن جب ضرورت محسوس کی گئی

تو اِس ترتیب کو اختیار گیا۔ بالکل یہی مثال صوفیائے کرام کے تجویز کردہ مروج طریقہِ اذکار کی بھی ہے۔

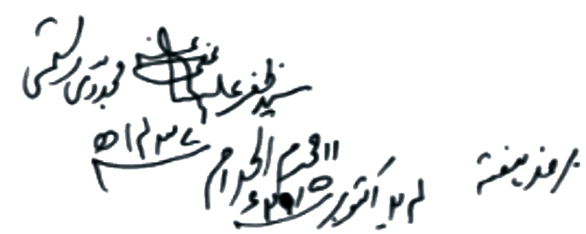
راہِ سلوک میں رہنمائی کرنے والے مُرشد کے لئے ضروری ہے کہ وہ مُنوَّر بھی ہو اور مُنوِّر بھی ہو یعنی خود بھی نورِ قلب حاصل کر چکا ہو اور دوسروں کو بھی یہ نور منتقل کرانے کی صلاحیت رکھتا ہو اس کے علاوہ مُکمَّل اور مُکمِّل ہو (یعنی خود بھی صاحبِ کمال ہو اور دوسروں کو بھی صاحبِ کمال بنانے کی صلاحیت رکھتا ہو)۔ تصوف کا اصل مقصد یہ ہے کہ مُرید کو حضورِ دائم (یعنی اللہ تعالیٰ کی حضوری کا دائمی استحضار اور احسانی کیفیت) نصیب ہو جائے جس کے نتیجے میں اُس کے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات، معاشرت اور سیاسیات الغرض سب کچھ شریعت کے تابع ہو جائے۔

محترم علاؤالدین صاحب نے اِس مختصر رسالہ میں تصوف کی اِسی حقیقت کو بیان کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ عوام الناس کے اذہان میں پائے جانے والے شکوک وشبہات کو دور کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ اُن کی اِس کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین

دعا گو

(حضرت مولانا) سیّد ظفر علی شاہ (رُستمی مجددی دامت برکاتہم)



تصوف وسلوک کیا ہے؟

﴿ ظاہراور باطن کی تعمیر کا نام تصوف ہے ﴾

دیگرالفاظ میں:

﴿ تمام ظاہری اور باطنی (پوشیدہ) گناہ چھوڑ کر کامل اخلاص کے ساتھ، اللہ کو راضی کرنے کی نیت سے پورے دین پر عمل کرنا ہی تصوف ہے۔ ﴾

ظاہری گناہوں میں چوری، جھوٹ، غیبت، زنا، کسی کا حق مارنا (وغیرہ) اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے احکامات پر عمل نہ کرنا شامل ہیں جبکہ باطنی (پوشیدہ) گناہوں میں حسد، بغض، ریا، کِبر اور کینہ وغیرہ شامل ہیں۔

یاد رکھئے صرف ہاتھ میں تسبیح لے کر اللہ کا ذکر کرنا تصوف نہیں بلکہ تصوف و سلوک کی راہ پر چلنے والے انسان میں مندرجہ ذیل خوبیاں ہونی چاہئیں:

(۱) عقائد درست ہو جائیں اور اُن عقائد کا حال باطن پر طاری ہو کر پکا اور راسخ ہو جائے۔

(۲) عبادات کا پابند ہو جائے۔

(۳) معاملات میں محتاط ہو جائے۔

(۴) اُس کا باطن رذائل (یعنی بُری صفات مثلاً حسد، بغض، کینہ، تکبر اور لالچ وغیرہ) سے پاک ہو جائے۔

(۵) اُس کے باطن میں فضائل (یعنی اچھی صفات مثلاً خیر خواہی، عاجزی، قناعت، اللہ کی محبت اور اللہ تعالیٰ کا ڈر وغیرہ) پیدا ہو جائیں۔

(۶) کثرتِ ذکر سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان چھا جائے (جسے نسبتِ یادداشت بھی کہتے ہیں)۔

(۷) جھوٹ، غیبت، چغلی اور اس طرح کے دوسرے (تمام) گناہ جو اختیاری ہیں اُن کو یکسر ترک کر دے۔ اگر اِن گناہوں کی عادت پھر بھی باقی رہے تو مشائخ سے تفصیلی مجاہدات پوچھ کر ان عادتوں کو دور کرے۔

(۸) روزمرہ کے کاموں میں سنتوں اور آداب کی پابندی حاصل ہو جائے۔

مندرجہ بالا باتیں انسان کی طرف سے ہیں۔ جب یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جائے تو انسان کو اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور خوشنودی عطا فرما کر اپنے خاص بندوں میں شامل کر لیتے ہیں۔ یہ چناؤ اور انتخاب ''نِسبت'' کہلاتا ہے (۱) جو اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔

(۱) تصوف وسلوک کی یہ وضاحت ''حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ'' کی کتاب ''اِصلاحِ نفس'' سے لی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب، حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ کے خلیفۂ مجاز ہیں۔ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ (خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) کے مُرید اور حضرت شاہ عبدالعزیز دُعاجو دہلویؒ کے خلیفہ تھے۔ شاہ عبدالعزیز دُعاجو دہلوی، حضرت شاہ یٰسین نگینویؒ (خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) کے خلیفہ تھے۔ مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ کو حضرت مولانا فقیر محمدؒ (خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) کی طرف سے بھی خلافت ملی تھی۔

حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہٗ عرصۂ دراز سے سلسلہ چشتیہ صابریہ چلا رہے ہیں اور صوبہ خیبر پختونخوا اور خاص کر پشاور کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو اُن سے بہت فائدہ پہنچا ہے۔ خیبر میڈیکل کالج، پشاور سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ نے علاقہ آفریدی گڑھی، نزد پاوہ کئی (پُشت یونیورسٹی ٹاؤن) پشاور میں مسجد اور خانقاہ تعمیر کی اور آج کل بھی خانقاہ، حیات آباد اور پشاور یونیورسٹی کی مختلف مساجد میں ذکر کی ہفتہ وار مجالس منعقد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر صاحب کی عمر اور صحت میں برکت ڈالے اور اُن کے فیض کو مزید عام فرمائے۔ آمین

مومنوں کی اصلاح کرنا نبی کریم ﷺ کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے

تصوف وسلوک میں مسلمان کا ظاہری اور باطنی تزکیہ کر کے اُسے پاک صاف کیا جاتا ہے۔قرآن پاک میں نبی کریم ﷺ کی جن چار عظیم الشان ذمہ داریوں کا ذکر ہے اُن میں ایک تزکیہ بھی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَد مَنَّ اللّٰهُ عَلَى المُئومِنِينَ اِذ بَعَثَ فِيهِم رَسُولاً مِّن اَنفُسِهِم يَتلُو عَلَيهِم ايٰتِهٖ وَ يُزَكِّيهِم وَ يُعَلِّمهُمُ الكِتٰبَ والحِكمَةَ ج وَ اِن كَانُو مِن قَبلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ o

ترجمہ: ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ اُن کے درمیان اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، اُنہیں پاک صاف بنائے اور اُنہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اِس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے

(آل عمران:۱۶۴)

ایک دوسری جگہ ارشاد پاک ہے:

قَدافلَحَ مَن تَزَكّٰى o

ترجمہ: یعنی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا وہ (شخص) یقیناً فلاح پا گیا۔ (الاعلیٰ:۱۴)

گویا تصوف وسلوک، پیری مریدی اور طریقت کو قرآن میں ”تزکیہ“ کے نام سے پکارا گیا

ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں دین کے اس شعبے کو''احسان'' کا نام دیا گیا ہے۔حدیث جبرئیل علیہ السلام کے آخر میں نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

''احسان یہ ہے کہ تُو اللہ تعالیٰ کی عبادت اِس طرح کرے گویا کہ تُم اُس کو دیکھ رہے ہو، اگر چہ تم اُس کو نہیں دیکھتے ہو لیکن وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے''

حدیث میں ذکر کردہ اِسی احسانی کیفیت کو حاصل کرنے کے لئے تصوف وسلوک میں مختلف اذکار و مراقبات کرائے جاتے ہیں۔

پیر ومُرشِد ضروری کیوں؟

نبی کریم ﷺ کی جن چار بنیادی ذمہ داریوں کو قرآن پاک نے بیان کیا ہے، وہ یہ ہیں: (۱) قرآنِ پاک کی تلاوت (۲) قرآن پاک کی تعلیم (۳) حکمت کی تعلیم (۴) تزکیہ (عقائد اور اعمال کی صلاح) کرنا۔

حضور ﷺ کے رِحلت فرمانے کے بعد یہ چاروں کام صحابہ کرامؓ نے سرانجام دیئے اور اُن کے بعد تابعین اور تبع تابعین نے۔ بعد میں ان میں سے ہر ذمہ داری کو سرانجام دینے کے لئے ماہرین تیار ہوئے، جن سے اللہ تعالیٰ نے اُس میدان میں تفصیلی کام لیا۔ مفسرین، محدثین، قُرّا، اور فقہاء کی الگ الگ جماعتیں بنیں، جنہوں نے حضور ﷺ کی ذمہ داریوں کو سنبھالا۔ ''تزکیہ'' اور ''اصلاح'' کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے اس امت کے بعض نیک لوگوں کو منتخب کیا، جنہوں نے امت کی اصلاح کا بیڑہ اپنے سر

اُٹھایا۔ یہ بزرگانِ دین ''صوفیائے کرام'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ چنانچہ جس طرح تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ کی تعلیم کے لئے اُستاد کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح گناہ چھوڑنے، نیکیوں پر عمل پیرا ہونے، نفس اور شیطان کی چالوں سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے بھی راہنما اور اُستاد کی ضرورت پڑتی ہے جسے پیر یا مُرشِد کہا جاتا ہے۔

یاد رکھئے۔۔۔۔

☆ پیروں، فقیروں یا اُن کے مزاروں کو سجدہ کرنا تصوف نہیں بلکہ کُفر و شرک ہے۔

☆ کشف و کرامات کو حاصل کرنا بھی تصوف نہیں۔

☆ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری پیر کے اوپر ڈالنا بھی تصوف نہیں۔

☆ دنیا کا ہر کام کامیابی سے مکمل ہونے کی ضمانت بھی تصوف نہیں (کہ صرف جھاڑ پھونک اور تعویز گنڈوں سے ہر کام ہو جایا کرے گا)

☆ ماں باپ، بیوی بچوں اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق ادا نہ کرنا اور دُنیا سے لاتعلق ہو کر ایک گوشہ میں مستقل طور پر بیٹھ جانا بھی تصوف نہیں۔

☆ آلاتِ موسیقی کے ساتھ رقص کرنا بھی تصوف نہیں بلکہ سخت گناہ ہے۔

☆ اپنے پیر کو مشکل کشا، عالم الغیب اور مستقل بالذات صاحبِ تصرف (یعنی ہر وقت تبدیلی کا اختیار رکھنے والا) ماننا تصوف نہیں، بلکہ کُفر و شرک ہے۔

نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ اور قادریہ سِلسِلوں کی حقیقت

ہر دور میں بزرگانِ دین امت کی اصلاح کے لئے مختلف علاج تجویز کرتے رہے ہیں۔ان میں ذکر کے بعض خاص طریقے بھی شامل تھے جس کے کرنے سے لوگوں کی اصلاح جلدی ہو جاتی تھی۔حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ نے جس طریقۂ ذکر کو تجویز کیا اُس کے مطابق ذکر کرنے والوں کو نقشبندی کہا جانے لگا۔اسی طرح حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے متعلقین کو سہروردی، حضرت معین الدین چشتیؒ کے متعلقین کو چشتی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلقین کو قادری کہا جانے لگا۔ یوں یہ چار سلسلے مشہور ہوئے؛ سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ قادریہ اور سلسلہ سہروردیہ۔

ایک اہم سوال اور اُس کا جواب

عام طور پر یہ سوال بہت پوچھا جاتا ہے کہ کیا ذکر کے نئے طریقے تجویز کرنا بدعت نہیں؟ کیا قرآن وحدیث میں بتائے ہوئے اذکار اصلاح کیلئے کافی نہیں؟

جواب: یاد رکھئے ہر نئی چیز کو بدعت نہیں کہا جاتا۔

ہمارے دین میں دو بنیادی چیزوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔

(۱) مقاصد (Objectives)　　**(۲) ذرائع (Sources)**

قرآن پاک کی تلاوت، تبلیغ، جہاد، صدقہ وخیرات، ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچنے کیلئے اپنی اصلاح (تزکیہ) کرنا اور علم حاصل کرنا؛ یہ سب ''مقاصد'' ہیں۔قرآن وحدیث میں اِنہیں ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اِن ''مقاصد'' کو حاصل کرنے کے

''ذرائع'' کا قرآن وحدیث سے ثابت ہونا ضروری نہیں، نہ ہی قرآن وحدیث نے ایسا کوئی حکم دیا ہے۔

مثلاً حضور ﷺ کے دور میں تلاوت قرآن پاک سیکھنے کیلئے کوئی صحابی ''نورانی قاعدہ'' نہیں پڑھتا تھا۔ آپ ﷺ کے دور میں جہاد کیلئے جہاز، ٹینک اور میزائل وغیرہ استعمال نہیں ہوتے تھے نہ ہی آپ ﷺ کے دور میں علم حاصل کرنے اور عربی سیکھنے کے لئے درسِ نظامی کا آٹھ سالہ نظام تھا۔ آج اگر ہم دیکھیں تو تلاوت قرآن پاک سیکھنے کیلئے ''نورانی قاعدہ'' بھی پڑھایا جاتا ہے، جہاد کیلئے جہاز اور میزائل بھی استعمال ہوتے ہیں، علم کے حصول کے لئے درسِ نظامی کا آٹھ سالہ نظام بھی موجود ہے لیکن کوئی ان کو بدعت نہیں کہتا۔ کیوں؟

کیونکہ ''نورانی قاعدہ''، ''جہاز و میزائل کا استعمال'' اور ''درسِ نظامی'' کا نظام اِن ''مقاصد'' کو حاصل کرنے کے ''ذرائع'' ہیں اور ذرائع کا قرآن وحدیث سے ثابت ہونا ضروری نہیں۔ بالکل اسی طرح نفس اور قلب کا تزکیہ (صفائی) کرنا، اللہ کی محبت کو حاصل کرنا، اللہ سے ڈرنا، تمام ظاہری اور باطنی گناہوں کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے چھوڑنا؛ یہ سب قرآن وحدیث کے احکامات ہیں اور دین کے بنیادی مقاصد میں سے ہیں اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے صوفیائے کرام کے تجویز کردہ مختلف اذکار و مراقبات، دراصل ''ذرائع'' ہیں، لہٰذا ان کو بھی بدعت کہنا درست نہیں۔

ایک ضروری وضاحت

یہاں یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ دین کے ضروری مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اختیار کردہ ''ذرائع'' قرآن، حدیث اوراجماع کے خلاف نہیں ہونے چاہئیں اوران ذرائع کوفرض، واجب یا سنت قرار نہیں دینا چاہیے۔ کیونکہ اگر یہ ذرائع قرآن، حدیث اوراجماع کے کسی واضح حکم کے خلاف ہوں یا اِن ذرائع کوفرض، واجب یا سنت کی طرح ضروری قرار دیا جانے لگے تو بلاشبہ یہ ذرائع بدعت کہلائے جائیں گے، مثلاً اگر کوئی اللہ کی محبت کو حاصل کرنے کا ''ذریعہ'' آلاتِ موسیقی اور رقص کو قرار دے تو اس کو اختیار کرنا اور اس پر عمل کرنا شریعت کی خلاف ورزی ہے، کیونکہ موسیقی اور رقص کی اسلام میں ممانعت ہے۔ اِسی طرح مشائخ کے تجویز کردہ ذکر کے مختلف طریقوں کو اگر کوئی فرض یا واجب قرار دے تب بھی یہ بدعت تصور ہونگے، بالکل ایسے ہی جیسے موجودہ دور میں اگر تبلیغی جماعت کے ساتھ چار مہینے، چِلّہ یا سہ روزہ کی رائج انتظامی ترتیب کو کوئی فرض، واجب یا سنت قرار دینے لگ جائے تو پھر یہ بھی بدعت ہی شمار ہوگی۔ البتہ ذکر کے مختلف طریقے، تبلیغی جماعت کی مروجہ انتظامی ترتیب' مدارس کے درس نظامی اور دیگر ذرائع کو محض ذرائع تسلیم کیا جائے اور اُن کو فرض، واجب یا سنت قرار نہ دیا جائے تو پھر ان ذرائع کو اختیار کرنے میں کوئی برائی اور قباحت نہیں بلکہ دور حاضر میں یہ انتہائی مستحسن اور مفید ترتیبیں ہیں۔

کیا تصوف وسلوک کا لفظ قرآن وحدیث میں موجود ہے؟

یہ سوال بھی عام طور پر بہت پوچھا جاتا ہے کہ کیا تصوف وسلوک کا لفظ قرآن وحدیث میں موجود ہے؟اِس کا مختصر جواب یہ ہے کہ کسی بھی فَن میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کا قرآن و حدیث میں موجود ہونا ضروری نہیں۔علمِ حدیث میں استعمال ہونے والی اصطلاحات (صحیح،ضعیف اور حَسَن وغیرہ) کا ذکر قرآن وحدیث میں کہیں بھی موجود نہیں،علم تفسیر اور فقہ وغیرہ میں استعمال ہونے والی تمام اصطلاحات کا بھی قرآن وحدیث میں کوئی ذکر نہیں۔بالکل اسی طرح فَنِ تصوف وسلوک کی حقیقت قرآن وحدیث میں موجود ہے البتہ اِس کی تمام اصطلاحات کا بھی قرآن و حدیث میں موجود ہونا ضروری نہیں، کیونکہ ''اصطلاحات'' اصل اور ضروری نہیں بلکہ ''حقیقت'' اصل اور ضروری ہوتی ہے۔محقق علماء اور صوفیہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی کو اعتراض ہو تو وہ تصوف وسلوک کے الفاظ بے شک استعمال نہ کرے بلکہ قرآن پاک میں استعمال ہونے والی اصطلاح ''تزکیہ'' یا حدیث کی اصطلاح ''احسان'' استعمال کرے،مقصد ایک ہی ہے۔

بیعت سے کیا مراد ہے؟

بیعت ''عہد و پیمان'' کو کہا جاتا ہے۔ یہ ایک مسنون عمل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ سے مختلف اوقات میں بیعت (عہد و پیمان) لی ہے۔قرآن و حدیث میں اس کی پانچ اقسام بیان کی گئی ہیں۔

(۱) ایمان پر (۲) جہاد پر (۳) ہجرت پر (۴) نیک کاموں کے

کرنے اور گناہ چھوڑنے (یعنی فعلِ طاعات و ترکِ منکرات) پر اور (۵) خلافت پر شعبۂ تصوف و سلوک میں پیرانِ کرام اپنے مریدوں کو جو بیعت کرتے ہیں تو وہ مَسنون بیعت کی چوتھی قسم ہے، یعنی مشائخ اپنے مریدوں سے اس بات کا عہد لیتے ہیں کہ وہ نیک کام کریں گے اور تمام ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا بیعت کرنے کا عمل سنت ہے، البتہ اپنی اصلاح (تزکیہ نفس) کرنا فرضِ عین ہے۔

کیا ہر شخص کو پیر بنایا جا سکتا ہے؟

ہر شخص کو پیر نہیں بنایا جا سکتا بلکہ پیر اور مرشد کیلئے ضروری ہے کہ

(۱) کم از کم اُن عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات سے واقف اور خبردار ہو جن کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اور جن امور سے واقف اور خبردار نہ ہو اُن میں مستند اور قابل اعتماد علماء کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا وجدانی اور حالی طور پر عارف ہو (صرف زبانی دعوے نہ ہوں)۔

(۳) شریعت پر عمل کرنے والا ہو، زندیق نہ ہو۔

(۴) سنتِ نبوی ﷺ پر عمل کرنے والا ہو اور ہر قسم کے بدعات سے اجتناب کرنے والا ہو۔

(۵) دین کی بلندی اور بقاء کیلئے جدوجہد کرنے والا ہو۔

(۶) زاہد ہو، دنیا کی طرف راغب نہ ہو۔

(۷) مشائخ کرام (پیران کرام) کا صحبت یافتہ ہو اور بیعت کرانے کے لئے باقاعدہ اجازت یافتہ ہو۔

(۸) صالحین کے نزدیک مقبول ہو، مبغوض (ناپسندیدہ) نہ ہو۔

(۹) اُس کی صحبت اور زیارت میں تاثیر ہو۔

(۱۰) دینی اُمور میں بے جا رعایت کرنے والا نہ ہو۔

(۱۱) تصوف کے دیگر سلسلوں پر اعتراض کرنے والا نہ ہو۔

پِیر اپنے مُرید کی اِصلاح کیسے کرتا ہے؟

مُرید کی اصلاح کا سب سے بڑا ذریعہ اپنے شیخ (پیر) کی صُحبت **(Company)** ہے۔ جتنا زیادہ عرصہ محبت، ادب اور طلب کے ساتھ اپنے پیر کی مجالس کو اختیار کرے گا، اُتنا ہی زیادہ اُس کو فائدہ ہوگا، کیونکہ اچھی صحبت اختیار کرنے کا فائدہ قرآن و حدیث اور تجربہ سے ثابت ہے، بلکہ قرآن و حدیث میں متقی بندہ بننے کیلئے بار بار نیک صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مشائخ اپنے مریدوں کو خاص طریقوں سے ذکر کرنے کی تعلیم دیتے ہیں، جن کو کرنے سے لاکھوں لوگ پہلے بھی فائدہ اُٹھا کر اللہ کے نیک بندے بن چکے ہیں۔ چنانچہ مشائخ کے تجویز کردہ طریقے پر ذکر کرنے سے یقیناً فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ مرید جن ظاہری اور باطنی گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے، وہ اپنے

شیخ کے علم میں لاتا ہے اور شیخ اپنے تجربہ کی روشنی میں اُس کی رہنمائی کرتا ہے۔ احادیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ صحابہ کرامؓ باقاعدگی کے ساتھ مختلف روحانی بیماریوں کے علاج کے سلسلے میں نبی کریمؐ سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ شیخ کے بتائے ہوئے نسخے پر عمل کرنے سے کچھ ہی عرصہ میں مرید اپنی حالت میں مثبت تبدیلی محسوس کرنے لگتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اکثر مشائخ (پیران کرام) اپنے مریدوں کی اصلاح کیلئے خاص باطنی قوت کا استعمال کرتے ہیں جسے تصوف کی اصطلاح میں ''توجہ'' کہتے ہیں۔ توجہ کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم تو یہ ہے کہ پیر و مرشد کی خواہش ہو کہ فلاں شخص کے دل میں اللہ کی محبت، اللہ کا خوف، نیکیوں کی طرف رغبت اور گناہوں سے نفرت پیدا ہو جائے اور اُس کے لئے دُعا کرے۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں مشائخ اپنی قوتِ ارادی (خیال کی قوت) کو استعمال کر کے اپنے مریدوں کے باطن میں کسی اچھی کیفیت (مثلاً اللہ کی محبت، اللہ کا خوف، گناہوں سے نفرت اور نیکیوں سے محبت وغیرہ) کو ڈال دیتے ہیں اور اِس طریقے سے اُن کی اصلاح کرتے ہیں۔

احادیثِ نبوی ﷺ میں توجہ کی ان اقسام کا ذکر ملتا ہے۔ پہلی وحی نازل ہوتے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نبی کریم ﷺ کو تین بار سینے سے لگا کر دبانے کا ذکر بخاری شریف میں بھی آیا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے اِس عمل کا مقصد دراصل قوت، توجہ اور ہمت استعمال کر کے آپ ﷺ کے باطن میں تصرف کرنا تھا تاکہ وحی کے فیوض و برکات کو قبول کرنے کے لیے جس استعداد کی ضرورت ہوتی ہے اُس کی تکمیل کرائی جا سکے۔

باب دوم

اہم مضامین واقتباسات

درج ذیل مضمون مولانا منظور نعمانیؒ کا تحریر کردہ ہے جو آج سے تقریباً **67,68** سال قبل ماہنامہ الفرقان میں شائع ہوا۔ بعد میں اِس کو دیگر مضامین کے ہمراہ ''تصوف کیا ہے'' نامی کتاب میں شامل کر کے شائع کیا گیا۔ اِس مضمون میں مولانا صاحب نے انتہائی خوبصورت انداز میں تصوف کے بارے میں اپنے ذاتی تجربات کو بیان کیا ہے۔ مضمون پڑھنے کے دوران ہی قارئین کو بہت سارے سوالات کے جوابات مل جاتے ہیں۔ اصل مضمون کے بعض مشکل الفاظ کو تبدیل کر کے اُن کی جگہ آسان الفاظ استعمال کیے جا رہے ہیں۔

تصوف پر ابتدائی غور اور تجربہ

سال ۱۳۶۱ ہجری کے آخر یا سال ۱۳۶۲ ہجری (بمطابق **1942-43** عیسوی) کی ابتداء میں بعض ایسے حالات سے میں دوچار ہوا کہ چند دن کسی ایسی جگہ رہنے کی ضرورت محسوس کی جہاں دل ودماغ افکار ومکروہات سے محفوظ رہیں اور قلب کو کچھ سکون واطمینان حاصل ہو۔ اِس مقصد کے لئے میری نظر انتخاب اُس زمانے کے ایک صاحبِ ارشاد بزرگ کی خانقاہ پر پڑی جو آبادیوں کے شور وشغب سے الگ تھلگ جنگل میں واقع ہے اور منظر بھی سرسبز وشاداب ہے، بہرحال میں وہاں پہنچ گیا۔ غالباً پہلا ہی دن تھا، مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر وہ محترم بزرگ خانقاہ کے صحن میں ایک پلنگ پر تشریف فرما تھے، از راہِ شفقت وکرم مجھے بھی

اپنے ساتھ ہی بٹھالیا تھا۔ یاد آتا ہے کہ کوئی تیسرا شخص اُس وقت وہاں نہیں تھا۔ قریب ہی خانقاہ (۱) کی سہ دری میں چند ذکر کرنے والے حضرات ''لا الٰہ الا اللہ (یعنی نفی اثبات) کا اور بعض اُن میں سے ''اللہ اللہ'' (یعنی اِسم ذاتِ باری تعالیٰ) کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ سب اچھی خاصی تیز آواز کے ساتھ ذکر کرتے تھے اور تصوف وسلوک کے بزرگوں کے تجویز کئے ہوئے خاص طریقوں سے قلب پر ضرب لگاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اِس قدر بلند آواز میں ضرب لگا کر کرنے کا یہ طریقہ اُس وقت میرے لئے صرف اجنبی اور نامانوس ہی نہ تھا بلکہ کسی درجے میں گویا ناقابلِ برداشت تھا، چنانچہ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے ادب اور احترام کے ساتھ عرض کیا:

''حضرت (۲)! ساری عمر دین کے بارے میں جو کچھ پڑھا ہے اور کتابوں میں دیکھا ہے اُس سے یہ سمجھا ہُوا ہے کہ اصل دین صرف وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور جس کی تعلیم آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو دی اور پھر صحابہ کرامؓ سے بعد میں آنے والوں نے سیکھا اور صحیح نقل و روایت کے ذریعے ہم تک پہنچا۔ اب یہ (لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اللہ کا) ذکر کرنے والے حضرات جس طرح بلند آواز سے ضرب لگا کر ذکر کر رہے ہیں، جہاں تک اپنا علم ہے، نہ تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو یہ تعلیم فرمایا تھا، نہ صحابہ کرامؓ نے تابعین سے اِس طریقے پر ذکر کرایا اور نہ تابعین نے اپنے بعد والوں کو ہی یہ طریقہ بتلایا تھا۔

(۱) خانقاہ عموماً اُس مقام کو کہتے ہیں جہاں پیر اپنے مریدوں کے ہمراہ اُن کی تربیت کے لئے رہائش پذیر ہوتا ہے۔

(۲) اِس سے مراد حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ ہیں جو سلسلہ قادریہ کے بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔

اِس لئے ذکر کے اِس طریقے کے بارے میں مجھے تسلی نہیں اور میں چاہتا ہوں کہ اگر میرا یہ خلجان کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہے تو اِس کی تصحیح ہو جائے۔''

اُن بزرگ نے توقع کے خلاف میرے اِس سوال کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے ایک عجیب انداز میں فرمایا:

''مولوی صاحب! یہ بے چارے جو یہاں میرے پاس آتے ہیں، یہ کسی اور کام کے نہیں ہوتے۔ بس اِسی کام کے ہوتے ہیں اور اِسی کے واسطے آتے ہیں، اِس لئے میں اُن کو یہی (اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا) بتلا دیتا ہوں۔ جو کام آپ کر رہے ہیں (یعنی تقریر و تحریر سے دین کی خدمت) یہ بہت بڑا کام ہے، آپ تو یہی کرتے رہیں اور اِس چکّر میں نہ پڑھیں۔''

ظاہر ہے کہ یہ میرے سوال کا جواب نہ تھا۔ لیکن اُس بزرگ نے میری بات کے جواب میں اتنا ہی فرمایا اور مجھے کچھ اور عرض کرنے اور اپنے اصل سوال کی طرف دوبارہ توجہ دلانے کی مہلت دیئے بغیر ہندوستانی مسلمانوں کے بعض اجتماعی مسائل اور اُن کے مستقبل پر گفتگو کا ایک نیا سلسلہ شروع فرما دیا جو میرے لئے بھی دلچسپ تھا۔ اُن کا یہ رویہ دیکھ کر پھر سے اپنے سوال کو اُٹھانا میں نے بھی مناسب نہ سمجھا اور عشاء کے قریب یہ مجلس ختم ہو گئی۔

اگلے دن مغرب کے بعد پھر یہی ہوا کہ ذاکرین نے اُسی دھن اور لگن کے ساتھ اپنا اپنا ذکر شروع کر دیا۔ مجھ سے پھر نہ رہا گیا اور میں نے کل کا اپنا سوال پھر یاد دلایا، لیکن آج بھی اُس بزرگ نے وہی کل والا رویّہ اختیار فرمایا کہ میری بات کو بالکل نظر انداز فرما

کر ہندوستانی مسلمانوں کی غالباً ماضی اور حال کی مختلف تحریکوں پر گفتگو کا ایک لمبا سلسلہ شروع فرمادیا اور میرا سوال پھر رہ گیا۔

اُن بزرگ کے اِس رویہّ سے الحمدللہ میں اِس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوا کہ چونکہ میرے سوال کا کوئی جواب اِن کے پاس نہیں، اِس لئے یہ اس کا جواب نہیں دے رہے، بلکہ مجھے یہ خیال ہُوا کہ غالباً میرے سوال کو ایک اہل اور سچے طالب کا سوال نہیں سمجھا گیا ہے۔ بلکہ خود کو دانشور سمجھنے والے ایک متکبر کا اعتراض سمجھ کر اِس کو اِس طرح نظر انداز فرمایا جارہا ہے اور اِس میں شبہ نہیں کہ اُس وقت اس سوال سے اپنی تسلی مقصود بھی نہ تھی بلکہ نیت کچھ اور ہی تھی۔

خانقاہ کے جس حُجرے میں میرے سونے کا انتظام تھا، نمازِ عشاء وغیرہ سے فارغ ہو کر میں اُس میں جا کر لیٹ گیا اور تصوف کے اِس قسم کے اعمال و اشغال پر خود ہی غور کرنے لگا۔ اِس غور و فکر میں خود ہی میں اپنے آپ سے سوال پوچھتا اور خود ہی جواب دیتا تھا۔ یاد آتا ہے کہ اِس ذہنی بحث و مباحثہ میں دیر تک نیند نہیں آئی۔ میں چاہتا تھا کہ ذہن اس مسئلہ میں بالکل یکسو ہو جائے، اگر میرے سوچنے میں غلطی ہو رہی ہے تو اُس کی تصحیح ہو جائے اور اگر میں ٹھیک طور پر سمجھ رہا ہوں تو پھر اس بارے میں مُجھے ایسا یقین و اطمینان حاصل ہو جائے کہ میں پوری قوت سے ان چیزوں کا ردو انکار کروں اور اِن باتوں کے غلط ہونے پر ایک سچے حق پرست کی طرح اصرار کروں۔

اِسی غور و فکر میں کچھ دیر کے بعد میرا ذہن ایک دفعہ اِس طرف منتقل ہوا کہ تصوف کے اِن خاص اعمال و اشغال (مثلاً ذکر و مراقبہ کے جو مخصوص طریقے مشائخ نے تجویز کئے ہیں

اور اپنی حدود اور قیود کے ساتھ سُنّت سے ثابت نہیں) کو اگر میں بدعت سمجھتا ہوں اور غلط کہتا ہوں تو اِس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت سیّد احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور اُن سے پہلے بھی اِن جیسے بہت سے حضرات کو مجدد یا مصلح نہیں بلکہ بدعات کا حامی اور بدعات کا رواج دینے والا ماننا پڑے گا ، کیونکہ اِن حضرات کی کتابیں (اِس طریقہِ ذکر و مراقبات کی) تعلیم سے بھری پڑی ہیں اور ساری عمر (اِن بزرگوں نے) اپنے پاس آنے والے طالبین کو اِن ہی طریقوں سے ذکر و شغل کرا کے ان کا سلوک طے کرایا ، بلکہ اِن حضرات میں سے اکثر کی زندگی میں جِس قدر یہ پہلو نمایاں ہے اُن کی کتابوں کے پڑھنے والے اور حالات کے جاننے والے جانتے ہیں کہ غالباً (تصوف و سلوک کے علاوہ) کوئی دوسرا پہلو اتنا نمایاں نہیں ہے۔

ذہن کے اِس طرف منتقل ہونے کے بعد دل نے یہ فیصلہ تو جلد ہی کر لیا کہ مجھ جیسے کم فہم اور کم علم کا کسی مسئلہ میں غلطی کرنے کا امکان زیادہ ہے جبکہ امام مجدد الف ثانیؒ ، حضرت شاہ ولی اللہؒ ، حضرت شاہ اسماعیلؒ جیسے اکابر علم و دین کی غلطی کرنے کا امکان نسبتاً کم ہے۔خاص کر ایک ایسے فن (تصوف) میں جِس کے ساتھ ہمارا تعلق تو صرف نظریہ کی حد تک محدود ہے اور اُن حضرات کا عمر بھر اِس کے ساتھ گہرا عملی تعلق رہا ہے۔

دِل نے اپنے خلاف یہ فیصلہ جلدی اور آسانی سے اِس لئے کر لیا کہ اِن حضرات کی تصانیف کے مطالعے اور اُن کے شخصی حالات اور اصلاحی و تجدیدی خدمات سے کچھ واقفیت کی وجہ سے اُن کی علمیت ، دین کی سمجھ اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں اُن کی قبولیت کا میں پہلے ہی سے پوری طرح قائل تھا اور میرا دل کسی طرح یہ قبول نہیں کر سکتا کہ

یہ سب حضرات (اپنے اپنے زمانہ میں اسرارِدین کے عارف اور امت کے مجدد ہونے کے باوجود) چند بدعتوں کو اللہ تعالیٰ کے قُرب کا ذریعہ سمجھ کر خود بھی ساری عمر اُن میں مبتلا رہے اور اللہ تعالیٰ کے ہزاروں بندوں کو بھی ان میں مبتلا کرتے رہے۔ بے شک مجدد (دین کو زندہ کرنے والا) نبی کی طرح معصوم اور صاحبِ وحی تو نہیں ہوتا لیکن وہ بدعات کی طرف دعوت دینے والا اور اس کو رواج دینے والا بھی نہیں ہوتا۔ خاص کر دین کے جِس شعبے میں اُس کو دوسرے سب شعبوں سے زیادہ انہماک ہو اور وہ اِس کا خاص داعی ہو اور اسی کے ذریعے اصلاح وتجدید کا کام کر رہا ہو۔ اُس میں اگر وہ بدعت وغیرہ میں فرق نہ کرسکے گا تو یقیناً وہ اصلاح سے زیادہ فساد کا اور ہدایت سے زیادہ گمراہی کا باعث ہوگا۔

بہر حال یہ چند خیالی نکتے تھے جن پر پہنچ کر میرے ذہن کی الجھن کچھ کم ہوئی اور میں نے مان لیا کہ غالباً مجھ سے ہی اِس مسئلے کے سمجھنے میں کوئی غلطی ہو رہی ہے، اب مجھے اپنی غلطی ہی کو پکڑنے اور پالینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ رات کافی گذر چکی تھی۔ اِس نتیجے پر پہنچ کر اِس غور وفکر کا سلسلہ اُس وقت ختم کر کے سوجانے کا ارادہ کرلیا اور سوگیا۔

جِس بزرگ کی خانقاہ کا یہ قصہ ہے اُن کا معمول ہے کہ روزانہ نمازِ فجر کے بعد چند میل ٹہلتے ہیں۔ اُس دن یہ عاجز بھی ساتھ ہولیا اور رات کے اپنے ذہنی بحث ومباحثہ اور اُس کے نتیجہ کا ذکر کیا اور عرض کیا:

''میرے دل و دماغ نے یہ تو مان لیا ہے کہ تصوف کے اِن اعمال و اشغال کے بارے میں جو اب تک میں نے سمجھا ہے غالباً وہ صحیح نہیں ہے اور اِس میں کوئی غلط فہمی مجھے ہو رہی ہے، لیکن ابھی تک میں اُس غلطی کو پکڑ نہیں سکا ہوں، چونکہ طبیعت طالب علمانہ پائی ہے اِس لئے چاہتا ہوں کہ یہ گرہ بھی کھل جائے اور جو خلش باقی ہے وہ بھی نکل جائے۔

موصوف میری یہ بات سُن کر مسکرائے اور فرمایا:

''مولوی صاحب! آپ کو یہی تو شبہ ہے کہ یہ چیزیں بدعت ہیں؟ یہ بتلایئے کہ بدعت کی تعریف کیا ہے؟''

میں نے عرض کیا:

''بدعت کی تعریف تو علمائے کرام نے کئی طرح سے کی ہے لیکن جو زیادہ درست اور محقق معلوم ہوتی ہے وہ یہی سیدھی سی تعریف ہے کہ دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ جس کے لئے شریعت میں کوئی دلیل نہ ہو؟''

فرمایا:

''ہاں ٹھیک ہے، لیکن یہ بتلایئے کہ اگر دین میں کوئی چیز مقصود ہو اور اللہ تعالیٰ اور رسولؐ نے اُس کا حاصل کرنا ضروری بتلا دیا ہو، لیکن کسی وقت زمانہ کے حالات بدل جانے سے وہ اُس طریقے سے حاصل نہ کی جا سکتی ہو، جس طریقے سے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں حاصل ہو جایا کرتی تھی، بلکہ اُس کے واسطے کوئی اور طریقہ استعمال کرنے کی ضرورت

پڑ جائے تو کیا اِس نئے طریقے کے استعمال کو بھی آپ ''دین میں اضافہ'' اور ''بدعت'' کہیں گے؟ (پھر اپنے مقصد کو اور زیادہ واضح کرنے کے لئے فرمایا) مثلاً دین سیکھنا سِکھانا ضروری ہے اور دین میں اس کا نہایت ہی تاکیدی حکم ہے اور آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اس کے لئے صحبت کافی ہو جاتی تھی، تعلیم کے لئے کوئی مستقل انتظام نہیں تھا۔ نہ مدرسے تھے، نہ کتابیں تھیں، لیکن بعد میں حالات ایسے ہو گئے کہ صحبت اِس مقصد کے لئے کافی نہیں رہی، بلکہ کتابوں کی اور پھر مدرسوں کی بھی ضرورت پڑھ گئی، تو اللہ تعالیٰ کے بندوں نے کتابیں لکھیں اور مدرسے قائم کئے اور اس کے بعد سے دین کی تعلیم وتعلم کا سارا سلسلہ اسی سے چلا اور اب تک اسی سے قائم ہے۔ تو کیا تعلیم وتعلم کے طریقے میں اس تبدیلی کو بھی ''دین میں اضافہ'' اور ''بدعت'' کہا جائے گا؟''

میں نے عرض کیا:

''نہیں! ''دین میں اضافہ'' تب تصور کیا جائے گا جبکہ (اِن اختیار کردہ نئے ذرائع کو) مقصود اور شریعت کا حکم بنا کر کیا جائے۔ لیکن اگر کسی دینی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے قدیم طریقوں کے ناکافی ہونے کی وجہ سے کوئی نیا جائز طریقہ اختیار کر لیا جائے تو اس کو ''دین میں اضافہ'' نہیں کہا جائے گا اور نہ وہ بدعت تصور ہوگا۔''

فرمایا:

بس تصوف وسلوک کے جن اعمال واشغال پر آپ کو بدعت ہونے کا شبہ ہے، اُن سب کی نوعیت بھی یہی ہے۔ اِن میں کوئی چیز بھی مقصد سمجھ کر نہیں کی جاتی، بلکہ یہ سب نفس کے تزکیہ (پاکی) وتحلیہ کے لئے کرایا جاتا ہے، جو دین میں مقصود ہے اور جس کو حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہر وقت اُس کا دھیان اور اُس کی رضا کا دھیان اور فکر رہنا اور اُس کی طرف سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا، یہ کیفیتیں دین میں مطلوب ہیں اور قرآن وحدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بغیر ایمان اور اسلام کامل ہی نہیں ہوتا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دین کے لئے تعلیم وتربیت کی طرح یہ ایمانی کیفیات بھی آپ ﷺ کی صحبت ہی سے حاصل ہو جاتی تھیں اور حضور ﷺ کے فیضانِ صحبت سے صحابہ کرام کی صحبتوں میں بھی یہ تاثیر تھی۔ لیکن بعد میں ماحول کے زیادہ بگڑ جانے اور صلاحیتوں کے ناقص ہو جانے کی وجہ سے اِس مقصد کے (حاصل کرنے کے) لئے کاملین (اولیاء اللہ) کی صحبت بھی کافی نہیں رہی تو دین کے اِس شعبہ (تزکیہ نفس) کے اِماموں نے اِن کیفیات کے حاصل کرنے کے لئے صحبت کے ساتھ ''ذکر وفکر کی کثرت'' کا اضافہ کیا اور تجربہ سے یہ تجویز صحیح ثابت ہوئی۔ اِس طرح بعض مشائخ نے اپنے زمانہ کے لوگوں کے احوال کا تجربہ کر کے اُن کے نفس کو توڑنے اور شہوات کو مغلوب کرنے اور طبیعت میں لینت پیدا کرنے کے لئے اُن کے واسطے خاص خاص قسم کی ریاضتیں اور مجاہدے تجویز کئے۔ اِس طرح ذکر کی تاثیر بڑھانے کے لئے اور طبیعت

میں رقت (نرمی) اور یکسوئی پیدا کرنے کے لئے ضرب (جسمانی یا تصوراتی طور پر جھٹکا دینے) کا طریقہ نکالا گیا ہے، تو اِن میں سے کسی چیز کو بھی مقصود نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی (ذکر کے) اِن (اضافی شرائط) کے کرنے کو دین کا ضروری حکم سمجھا جاتا ہے بلکہ یہ سب کچھ علاج اور تدبیر کے طور پر کیا جاتا ہے اور اِسی لئے مقصد حاصل ہو جانے کے بعد یہ سب چیزیں چھڑا دی جاتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تصوف وسلوک کے شعبہ کے ماہرین اپنے زمانے کے حالات اور تجربوں کے مطابق اِن چیزوں میں تبدیلیاں اور کمی بیشی بھی کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی شیخ کبھی کبھی مختلف طالبوں کے لئے اُن کے خاص حالات اور اُن کی استعداد کے مطابق الگ الگ اعمال واشغال تجویز کر دیتا ہے اور بعض ایسے اعلیٰ استعداد والے بھی ہوتے ہیں جنہیں اس طرح کا کوئی ذکر وشغل کرانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ اُن کو یوں ہی (اپنا خاص تعلق) نصیب فرما دیتا ہے۔ اِس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اِن سب چیزوں کو صرف علاج اور تدبیر کے طور پر ضرورت کے درجہ میں کرایا جاتا ہے۔

اُن بزرگ کی اِس تقریر اور وضاحت سے میرا وہ ذہنی خلجان تو دور ہو گیا لیکن ایک نئی پیاس یہ پیدا ہو گئی کہ یہ جو کچھ فرمایا گیا ہے اِس کو خود آزما کے دیکھا جائے اور اپنے ذاتی تجربے سے قلبی اطمینان اور مزید یقین حاصل کیا جائے، لیکن میرے حالات اور مشاغل میں اِس کی گنجائش نہیں تھی کہ اِس تجربے کے لئے میں کوئی بڑا اور مستقل وقت دے سکوں۔ اِس لئے میں نے بے تکلفی اور صفائی سے عرض کیا:

''اگر یہ ذکر وشغل اِن مقاصد (کو حاصل کرنے) کے لئے کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ یہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں تو پھر تو میں بھی اِس کا محتاج ہوں، لیکن میں زیادہ وقت نہیں دے سکتا کیونکہ دین کے جن دوسرے کاموں سے کچھ تعلق کر رکھا ہے۔ اُن کو بھی میں چھوڑ نا نہیں چاہتا۔''

فرمایا:

''مولوی صاحب! تصوف دین کے کام چھڑانے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس سے دین کے کاموں میں قوت آتی ہے اور جان پڑتی ہے، لیکن کیا عرض کیا جائے، اللہ کی مشیت ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کے کاموں کے قابل بنایا ہے وہ اب اِدھر توجہ ہی نہیں کرتے، حالانکہ اگر تھوڑی سی توجہ بھی وہ اِدھر دے دیں تو دیکھیں کہ ان کے کاموں میں کتنی قوت آتی ہے۔ حضرت خواجہ (مجدد الف ثانی) صاحبؒ نے، حضرت باوا صاحبؒ نے اور حضرت سیّد (احمد شہید) صاحبؒ نے ہمارے اس ملک میں دین کی جو خدمتیں سرانجام دیں اور جو کچھ کر دکھایا (جن کا سوواں اور ہزارواں حصہ بھی ہماری بڑی بڑی انجمنیں اور جماعتیں نہیں کر سک رہی ہیں) اُس میں اُن کے اخلاق اور قلب کی اُس طاقت کو خاص دخل تھا جو تصوف کے راستے سے پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن اب صورت (حال) یہ ہے کہ اِس (راہِ تصوف کی) طرف صرف وہی بے چارے آتے ہیں جو بس اللہ اللہ کرنے کے کام کے ہی ہوتے ہیں۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں استعدادیں مختلف رکھی ہیں، ناقص استعداد کا آدمی اعلیٰ استعداد والوں کا کام

نہیں کرسکتا۔''

پھراسی سلسلہ میں فرمایا:

خدا جانے لوگ تصوّف کو کیا سمجھتے ہیں،تصوف تو بس صرف اخلاص اور عشق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اور جو کام عشق کی طاقت سے اور اخلاص کی برکت سے ہوسکتا ہے، وہ اِس کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔اِس لئے دراصل تصوف ضروری نہیں بلکہ عشق و اخلاص پیدا کرنا ضروری ہے،اگر کسی کو اس کے حاصل کرنے کا اِس سے بھی آسان اور مختصر کوئی اور راستہ معلوم ہو جائے تو مُبارک ہے وہ اُسی راستے سے (اخلاص اور عشق کو) حاصل کرلے اور ہم کو بھی بتلادے۔ہم تو اسی راستہ کو جانتے ہیں جس کا اللہ کے ہزاروں صادق بندوں نے سینکڑوں برس سے تجربہ کیا ہے،جن میں سینکڑوں وہ تھے جو دین کے اِس شعبہ(تصوف وسلوک) کے مجتہد بھی تھے اور صاحبِ الہام بھی تھے۔''

میں نے عرض کیا:

''جو شخص پہلے سے کسی دینی کام میں لگا ہُوا ہو اور وہ یہ محسوس کرتا ہو کہ اُسے عشق اور اخلاص نصیب نہیں ہے تو کیا وہ کسی مُدّت تک اُس کام کو چھوڑ کے پہلے اِس (اخلاص وعشق) کو حاصل کرے یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اُس کو بھی کرتا رہے اور اُس کے ساتھ اُس کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کرے؟''

فرمایا:

''ہاں ہوسکتا ہے، البتہ بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں کچھ مُدّت کے لئے یکسوئی کے ساتھ اِسی طرف مشغول ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔''

میں نے عرض کیا:

''کیا اِس کے لئے بیعت ہونا بھی ضروری ہے؟''

فرمایا:

''نہیں! بالکل نہیں! ہاں طلب اور اعتماد کے ساتھ محبت اور صُحبت ضروری ہے، بیعت تو صرف تعلق اور اعتماد کے اظہار کے لئے ہے، ورنہ اصل مقصد (کو حاصل کرنے) میں بیعت کو کوئی خاص دخل نہیں ہے۔''

میں نے عرض کیا:

''پھر مجھ کو بھی کچھ (ذکر وشُغل کرنے کا) فرمادیں۔''

فرمایا:

''مولوی صاحب! حدیث میں ہے ''المستشار موتمن'' (یعنی جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے، اُس کو پوری دیانت داری سے مشورہ دینا چاہئے) میں آپ کے لئے یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ آپ اِس مقصد کے لئے فلاں صاحب یا فلاں صاحب کی طرف رجوع کریں، اِن حضرات پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے اور آپ جیسے علم والوں کے لئے میں اُن ہی حضرات کو اہل سمجھتا ہوں۔''

میں نے عرض کیا:

اِن دونوں بزرگوں کی عظمت پہلے سے بھی کچھ دل میں تھی اور اب حضرت کے ارشاد سے اور زیادہ ہوگئی ہے،لیکن چونکہ مجھ میں یہ طلب نہیں پیدا ہوئی ہے اس لئے میں تو اس راستے میں حضرت ہی سے راہنمائی حاصل کرنا اپنے لئے بہتر سمجھتا ہوں۔''

موصوف نے اپنی محبت وشفقت کے پورے اظہار کے ساتھ ایک یا دو دفعہ پھر انہی دونوں بزرگوں کا حوالہ دیا،لیکن جب میں نے ادب کے ساتھ اپنی ہی رائے پر اصرار کیا تو قبول فرمالیا اور میری مصروفیتوں کا پورا لحاظ فرماتے ہوئے ذکر وغیرہ کا بہت مختصر سا پروگرام تجویز فرمادیا اور میں نے کرنا شروع کردیا۔

اس کے بعد غالباً چار پانچ دن وہاں اور مقیم رہا۔جب اجازت لے کر رخصت ہونے لگا تو خاص اہتمام سے فرمایا:

حضرت دہلوی (یعنی حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ) کی خدمت میں آپ ضرور جایا کریں اور کچھ قیام کیا کریں۔''

اس موقع پر مولانا موصوفؒ کے متعلق بہت بلند چند کلمات بھی ارشاد فرمائے اور یہ حقیقت ہے کہ ان بلند کلمات ہی نے مجھے اس مشورے کی تعمیل پر آمادہ کیا اور جیسا کہ مولانا مرحومؒ کے ملفوظات کے مقدمہ میں لکھ چکا ہوں،اِس کے بعد ہی میں نے مولانا موصوفؒ کی شخصیت کو کچھ جانا اور کچھ عرصے کے بعد میں یہ بھی سمجھ سکا کہ مولاناؒ کی خدمت میں حاضری کا اتنے اہتمام سے مجھے کیوں مشورہ دیا گیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ خانقاہیت اور خانقاہی مشاغل اور اہلِ خانقاہ سے مجھے جو دوری تھی اُس میں اچھا خاصا دخل میرے اس احساس کو بھی تھا کہ ان حلقوں میں (میرے خیال کے مطابق) دین کی فکر اور اُس کی خدمت کا جوش کم پایا جاتا ہے، حالانکہ میں اس کو رسول اللہ ﷺ کی خاص میراث سمجھتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اُن بزرگ نے میرے اس احساس کو سمجھ کر اس کی اصلاح واعتدال کے لئے ہی حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں حاضری اور قیام کی مجھے اتنے اہتمام سے تاکید فرمائی، گویا مجھے ایک عشق باز اور صاحبِ اخلاص بندے کے دین کے درد اور اس راہ میں اُس کی تڑپ اور بے کلی کا مشاہدہ کرانا تھا اور دکھانا تھا کہ دین کی خدمت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں۔

اے مرغِ سحر عشقِ ز پروانہ بیاموز کاں سوختہ جاں شد و آواز نیامد

آٹھ نو برس پہلے کا واقعہ ہے، حافظہ نے اب تک جتنا کچھ محفوظ رکھا، لکھ دیا ہے۔ اپنی اور اُن بزرگ کی گفتگو کا جو حصہ نقل کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اتنے عرصے کے بعد اصلی الفاظ میں نقل کرنا ممکن نہ تھا اِس لئے ان سب کو ''روایت بالمعنیٰ'' (یعنی مفہوم) ہی میں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ اس کا بھی قوی امکان ہے کہ اس سلسلہ کی بعض باتیں رہ گئی ہوں اور بعض ایسی باتیں یہاں لکھی گئی ہوں جو اس موضوع پر بعد میں کسی اور صحبت میں اُن بزرگ سے سنی گئی ہوں۔ بہرحال جو وضاحت اور تشریح اُس بزرگ کی طرف منسوب کر کے یہاں لکھی گئی ہے، اُس کا اطمینان ہے کہ وہ سب اُنہی کی ہے۔

تصوف کے اعمال واشغال کے متعلق جس ذاتی تجربہ کا ارادہ کیا گیا تھا، افسوس ہے کہ اپنی کم ہمتی اور لا اُبالی پن کی وجہ سے اور کچھ اپنے دیگر مصروفیات کی وجہ سے اُس جیسا تجربہ تو

نہیں کیا جاسکا جیسا کہ کرنے کا حق تھا، تاہم جوٹو ٹا پھوٹا اور برائے نام سا تعلق اس سلسلے سے اور اُس کے اشغال سے ان چند دنوں میں رہا اور اس کی وجہ سے اس راہ کے بعض اکابر سے جو قرب حاصل رہا، اُس سے چند یقین حاصل ہوئے، جن میں سے بعض تصوف کے مخالفین اور منکرین کی خدمت میں عرض کرنے کے قابل ہیں اور بعض خود اہلِ تصوف کی خدمت میں پیش کرنے ضروری ہیں۔ خدا لگتی بات ہے کہ غریب ''تصوف'' اپنے منکروں اور مخالفوں کی وجہ سے تو مظلوم ہے ہی لیکن جو اس کے حامل اور علمبردار ہیں، کچھ اُن کی بعض چیزیں بھی اس مظلومیت کا باعث بن رہی ہیں۔

نوٹ

تصوف وسلوک کی اہمیت، ضرورت اور عوام الناس کے دل و ماغ میں پائے جانے والے شکوک و شبہات کے ازالہ کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ انتہائی مفید رہے گا۔ انشاءاللہ

۱۔ تصوف کیا ہے؟ (حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ)

۲۔شریعت وطریقت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تعلیمات کا جامع خلاصہ)

۳۔ بصائرِ حکیم الامت (ڈاکٹر عبدالحئیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتابوں کا نچوڑ)

۴۔اکابر کا سلوک و احسان (حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ)

۵۔اصلاحی مجالس (حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلۂ)

۶۔اصلاحِ نفس (حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلۂ)

۷۔تصوف وسلوک (حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلۂ)

۸۔تصوف کا خُلاصہ (حضرت مولانا شبیر احمد کاکاخیل مدظلہ)

۹۔ التکشف (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

۱۰۔ التشرف (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

صوفیائے کرام پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ جہاد کے میدانوں میں لڑنے کے بجائے مسجدوں اور خانقاہوں میں بیٹھ کر صرف ذکر واذکار کرتے ہیں اور دینِ اسلام کے نفاذ اور دفاع کی عملی کوششوں میں اپنا کردار ادا نہیں کرتے۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ نے اِس اعتراض کا جواب دینے کے لئے قلم اُٹھایا اور ٹھوس حوالوں سے یہ ثابت کیا کہ یہ اعتراض بالکل بے بنیاد ہے اور جتنی بھی قابل ذکر اسلامی تحریکیں گزری ہیں اُن میں اکثریت کے رہنما صوفیائے کرام تھے۔ ذیل میں اس مضمون کے بعض اقتباسات نقل کئے جا رہے ہیں۔ (مشکل الفاظ تبدیل کئے گئے ہیں)

تصوف اور دینی جدوجہد

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ لکھتے ہیں:

(بعض غلط طور پر مشہور اور) بے اصل (باتوں) میں سے (ایک) یہ بات بھی ہے کہ تصوف، بے کاری و بے عملی، حالات سے شکست خوردگی اور میدانِ جدوجہد سے فرار کا نام ہے لیکن عقلی ونفسیاتی طور پر بھی اور تاریخی حیثیت سے بھی ہمیں اِس دعویٰ کے خلاف مسلسل طریقہ پر داخلی و خارجی شہادتیں ملتی ہیں۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سرفروشی و جانبازی، جہاد و قربانی اور تجدید وانقلاب و فتح وتسخیر کے لئے جس روحانی وقلبی قوت، جس وجاہت وشخصیت، جس اخلاص ولِلّٰہیت، جس جذب وکشف اور جس حوصلہ اور ہمت کی ضرورت ہے وہ اکثر اوقات روحانی ترقی، باطن کی صفائی، نفس

کے سُدھرنے اور عبادت و ریاضت کے بغیر پیدا نہیں ہوتی۔ اِس لئے آپ دیکھیں گے کہ جنہوں نے اسلام میں مجددانہ یا مجاہدانہ کارنامے انجام دئے ہیں، اُن میں سے اکثر افراد روحانی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے۔ اِن آخری صدیوں پر نظر ڈالئے۔ امیر عبدالقادر الجزائری، مجاہد جزائر، محمد احمد السودانی (مہدی سوڈانی) سید احمد شریف السنوسی (اِمام سنوسی) کو آپ اِس میدان کا مرد پائیں گے۔ (ہندوستان کے) حضرت سیّد احمد شہیدؒ (بھی) ایک مجاہد قائد کے علاوہ ایک قابل عزت اور قابلِ قدر روحانی پیشوا اور بے مثل پیرِ طریقت تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجاہدات و ریاضیات، تزکیہ نفس (نفس کی پاکی وصفائی) اور قربِ الٰہی سے عشقِ الٰہی اور جذب وشوق کا جو مرتبہ حاصل ہوتا ہے اس میں ہر رونگٹے سے یہی آواز آتی ہے

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

اس لئے روحانی ترقی اور باطنی کمال کا آخری اور لازمی درجہ شوقِ شہادت ہے اور مجاہدے کی تکمیل جہاد ہے۔ (۱)

آگے لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں اکبر کے دور میں ساری سلطنت کا رخ الحاد اور لادینیت کی طرف ہو گیا۔ ہندوستان کا عظیم ترین بادشاہ ایک وسیع و طاقتور سلطنت کے پورے وسائل وذخائر کے ساتھ اسلام کا امتیازی رنگ مِٹانا چاہتا تھا۔ اس کو

(۱) سیرت سیّد احمد شہید، مئولف مولانا سید ابوالحسن ندویؒ

اپنے وقت کے لائق ترین اور ذکی ترین افراد اس مقصد کی تکمیل کے لئے حاصل تھے۔۔۔اُس وقت ایک درویش بے نوا نے تنِ تنہا اِس انقلاب کا بیڑہ اُٹھایا اور اپنے یقین وایمان، عزم وتوکّل اور روحانیت واخلاص سے سلطنت کے اندر ایک ایسا اندرونی انقلاب شروع کیا کہ سلطنتِ مغلیہ کا ہر جانشین اپنے سے پہلے گذرے ہوے بادشاہوں سے بہتر ہونے لگا۔ یہاں تک کہ اکبر کے تختِ سلطنت پر بالآخر محی الدین اورنگ زیب نظر آیا۔ اِس انقلاب کے بانی (سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم شیخ) اِمام طریقت حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ تھے۔''

مشہور مجاہد اور صوفی امیر عبدالقادرؒ کی جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الجزائر (مغرب) میں امیر عبدالقادر نے فرانسیسیوں کے خلاف عَلَمِ جہاد بلند کیا اور **1832** عیسوی سے **1847** عیسوی تک نہ خود چین سے بیٹھے، نہ فرانسیسیوں کو چین سے بیٹھنے دیا۔''

مشہور صوفی شیخ شاملؒ سے متعلق اُن کے مضمون کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

1883 عیسوی میں جب (موجودہ) روس، ایران اور ترکی کی سرحدوں پر واقع علاقوں پر روسیوں کا تسلّط ہوا تو اُن کا مقابلہ کرنے والے نقشبندی شیوخ تھے جنھوں نے علم جہاد بلند کیا اور اس کا مطالبہ اور جدوجہد کی کہ معاملات ومقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق ہوں اور قوم کی جاہلی عادات کو ترک کردیا جائے۔ اِس تحریک کے قائد غازی محمد تھے جن کو روسی، قاضی مُلّا کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ **1832** عیسوی میں غازی محمد شہید ہوئے تو اُن کے جانشین ''حمزہ بے'' مقرر ہوئے۔

اُن کے بعد ''شیخ شامل'' نے مجاہدین کی قیادت سنبھالی جو بقول (ممتاز

تاریخ دان) امیر شکیب ''(شیخ شامل) امیر عبدالقادر الجزائریؒ کے طرز پر تھے اور مشیخیت (پیری) سے امارت ہاتھ میں لی۔''

شیخ شاملؒ نے 25 برس تک روس سے مقابلہ جاری رکھا اور مختلف معرکوں میں اُن پر زبردست فتح حاصل کی۔ روسی اُن کی شوکت اور شجاعت سے مرعوب تھے اور چند مقامات کو چھوڑ کر سارے ملک سے بے دخل ہو گئے تھے۔ روس کی بھرپور مدافعت کی وجہ سے آخرکار 1859 عیسوی میں اِس مجاہدِ عظیم نے ہتھیار ڈالے۔

اِسی طرح سید احمد الشریف النوسی کی جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''(اطالوی فوجوں کے 13 سال میں بھی طرابلس فتح نہ کرنے کی وجہ) سنوسی درویشوں اور اُن کے شیخِ طریقت سیّدی احمد الشریف کے مجاہدانہ جدوجہد تھی۔''

ممتاز تاریخ دان امیر شکیب شیخ النوسی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''(شیخ النوسی) اپنے برادرانِ طریقت (تصوف) اور مریدین کو ہمیشہ شہسواری، نشانہ بازی کی مشق کی تاکید کرتے رہتے۔ اُن میں غیرت اور مستعدی کی روح پھونکتے، اُن کو گھوڑ دوڑ اور سپہ سالاری کا شوق دلاتے رہتے اور جہاد کی فضیلت و اہمیت کا نقش اُن کے دل پر قائم کرتے۔''

مولانا سید ابوالحسن ندویؒ عربوں کی تحریک ''الاخوان المسلمین'' کے بانی شیخ حسن البنا مرحوم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''شیخ حسن البنا مرحوم کی شخصیت بڑی موثر، دل آویز اور ہمہ گیر شخصیت تھی، وہ سرتا پا عمل اور مجسم جدوجہد تھے۔ نہ تھکنے والے، نہ مایوس ہونے والے، نہ پست ہونے والے سپاہی اور داعی تھے۔ اُن کی اِن خصوصیات'

میں اُن کے روحانی نشوونما اور سلوک کو بڑا دخل ہے۔ جیسا کہ اُنہوں نے اپنی خودنوشت سوانح میں وضاحت کی ہے وہ ''طریقہ حصافیہ شاذلیہ'' میں بیعت تھے اور با قاعدہ اس کے اذکار کی مشق کی تھی۔''

ہندوستان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہندوستان میں تصوف و جہاد کا ایسا عجیب امتزاج ملتا ہے جس کی نظیر دُور دُور ملنی مشکل ہے۔ (خاص کر حضرت سید احمد شہیدؒ اور اُن کے جانثار رفقاء نے تو انگریزوں کے خلاف جہاد کر کے) دکھا دیا تھا کہ ایمان، توحید اور صحیح تعلق باللہ اور راہِ نبوت کی تربیت وسلوک میں کتنی قوت اور کیسی تاثیر ہے اور بغیر صحیح روحانیت اور اصلاح کے پختہ جوش و جذبہ اور ایثار و قربانی اور جاں سپاری (پیدا ہونے کی) کی امید غلط ہے۔''

جنگِ آزادی 1857 عیسوی کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

''شاملی کے میدان میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (مولانا اشرف علی تھانویؒ اور دیگر اکابر علمائے دیوبند کے پیرومُرشد)، حضرت حافظ ضامن شہیدؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (بانیانِ دارالعلومِ دیوبند) انگریزوں کے خلاف (جہاد کے لئے) صف آراء نظر آئے۔۔۔۔ پھر مولانا محمود حسن دیوبندی (جن کو ہندوستان کے مسلمانوں نے بجا طور پر شیخ الہند کے لقب سے یاد کیا) انگریزوں کے خلاف جہاد کی تیاری کرتے ہیں اور ہندوستان کو اُن کے وجود سے پاک کر کے ایک ایسی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جس میں مسلمانوں کا اقتدار اعلیٰ اور اُن کے ہاتھ میں ملک کی بھاگ دوڑ ہو۔ اُن کی بلند ہمتی اُن کو ترکی سے تعلقات قائم کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ ریشمی خطوط، انور پاشا سے

ملاقات، مالٹا کی قید، اُن کی بلند ہمت اور قوتِ عمل کا ثبوت ہے۔''

مضمون کے آخر میں مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن ندویؒ یہ نتیجہ قارئین کے سامنے رکھتے ہیں:

اگر تصوف اپنی صحیح روح اور سلوک، راہِ نبوت کے مطابق ہو اور یقین اور محبت پیدا ہونے کا باعث ہو (جو اس کے اہم ترین مقاصد و نتائج ہیں) تو اس سے قوتِ عمل، جذبہ جہاد، عالی ہمتی، جفاکشی، شوقِ شہادت پیدا ہونا لازمی ہے۔''

ذرا سوچئے۔۔۔دورِحاضر کے مزارات اورتصوف؟؟؟

دورِحاضر میں سینکڑوں خانقاہوں اور مزارات پر شرک وبدعت کا جو کاروبار ہو رہا ہے اُس کا تصوف تو کیا دینِ اسلام سے بھی دُور دُور کا کوئی تعلق نہیں۔

جن لوگوں کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ سے حُسنِ ظن ہے (اور) اُن کو علمائے حق میں سے جانتے ہیں تو وہ فیصلہ کرلیں کہ یہ سب حضرات سنت کی مکمل تابعداری کرنے کے باوجود ایک غلط چیز کو قبول کرنے پر کیسے متفق ہو گئے تھے؟ اوران سب نے عمداً یا جہلاً اُمت کو غلط چیز کی تعلیم وتلقین کیسے کی۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر خود اپنے متعلق غور کریں کہ کہیں اِس بابِ (تصوف) میں اُنہی سے تو غلطی نہیں ہو رہی ہے؟

جس طرح بعض من گھڑت اسرائیلی تفسیری روایات کی بنیاد پر مکمل تفسیرِ قرآن کو، بعض جھوٹی اور من گھڑت احادیث کی بنیاد پر تمام احادیث کو اور چند نا قابلِ ترجیح مسائل کی وجہ سے ساری فقہ کو رَد نہیں کیا جا سکتا، اِسی طرح آج بہت سی خانقاہوں اور مزاروں پر جو بدعات اور شرکیات، تصوف کا نام لے کر کی جا رہی ہیں اُن کی بنیاد پر اصل شرعی تصوف کو رد کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ (۱)

---

(۱) اقتباسات از ''تصوف کیا ہے'' ادارہ اسلامیات (، روایت بالمعنیٰ)

کئی حضرات نے اپنی اصلاح اور اللہ کی رضا کی نیت سے کسی اللہ والے سے بیعت کی ہوتی ہے اور دِن بہ دِن اُن کی دینی حالت بہتر ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنا خاص تعلق (نسبت) نصیب فرما دیتے ہیں۔ جب کسی مسلمان کو یہ عظیم نعمت حاصل ہو جاتی ہے، تو اُس کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور یادِ الٰہی میں گزرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُسے اپنی رضا اور اُس کے اعمال کو قبولیت عطا فرما دیتے ہیں۔

لیکن بعض حضرات ایسے بھی ہوتے ہیں، جو کئی سالوں سے بیعت ہوئے ہوتے ہیں اور کافی اذکار و مراقبات بھی کیے ہوتے ہیں لیکن اُن کو "نسبت" (اللہ سے خصوصی تعلق) کی دولت نہیں ملتی۔ اِس کی چند وجوہات ہیں، جن میں سے بعض کی نشاندہی نیچے دیئے گئے مضمون میں کی گئی ہے۔ اِس مضمون کے بنیادی نکات حضرت پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہٗ کی کتاب "رہے سلامت تمہاری نسبت" سے لئے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا خصوصی تعلق حاصل کرنے میں حائل چند رُکاوٹیں

پہلی وجہ: نیت کی غلطی

ناکامی کی پہلی وجہ یہ ہے کہ عموماً نیت درست نہیں ہوتی۔ یادرکھئے کسی بھی بزرگ سے بیعت کرتے وقت نیت صرف اور صرف "اپنی ظاہری و باطنی اصلاح" اور "اللہ کی رضا" ہی کی ہونی چاہیے۔ پیر بننے، شہرت حاصل کرنے اور دُنیاوی مصائب و مشکلات کے حل ہو جانے وغیرہ جیسی نیتیں نہیں ہونی چاہیے، نیت درست نہ ہو تو اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اِس کے علاوہ سچّی

طلب کی موجودگی بھی ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ بغیر طلب کے کسی کو اپنا خاص تعلق نصیب نہیں فرماتا۔

دوسری وجہ: ہمت استعمال کرنے میں کوتاہی

پیر چاہے کتنا ہی کامِل کیوں نہ ہو اگر مرید اُس کے بتائے ہوئے اذکار و مراقبات کو پابندی سے ادا نہیں کرتا اور شریعت کے عائد کردہ احکامات (فرائض، واجبات اور سُنَنِ مؤکِدہ) کی ادائیگی اور گناہوں سے بچنے کے لئے اپنی ہمت استعمال کرنے کا ارادہ اور کوشش ہی نہیں کرتا تو ایسے بے ہمت مُرید کی اصلاح کبھی بھی نہیں ہوسکتی۔

تیسری وجہ: گناہوں میں مبتلا ہونا

گُناہوں پر اِصرار کرنے والے شخص کو کبھی بھی اللہ تعالیٰ اپنا خاص تعلق نصیب نہیں فرماتا۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اللہ کی رضا کا طالب تمام ظاہری اور باطنی گناہوں کو چھوڑ دے اور اگر کبھی گناہ سرزد ہو بھی جائیں، تو اُسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اُس پر توبہ و استغفار کرے اور اپنے پیر و مُرشِد سے اِس ضمن میں رہنمائی حاصل کرے۔ دورِ حاضر میں بعض گناہ ایسے ہیں جن میں خاص و عام سب مبتلا ہیں (اِلاّ ماشاءاللہ) اور افسوس کی بات یہ ہے کہ اِن گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود اپنے آپ کو گناہ گار بھی نہیں سمجھتے۔ظاہر ہے اِیسی صورتحال میں اللہ تعالیٰ کا خصوصی تعلق کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔چند ایسے گناہوں کا ذکر نیچے بیان کیا گیا ہے۔

(۱) ٹیلی ویژن، فِلمیں اور ڈرامے دیکھنا

علمائے کرام کی اکثریت اب بھی ٹیلی ویژن پر چلنے والی ویڈیوز کو تصویر ہونے کی وجہ سے حرام سمجھتی ہے۔ اگر اِس وجہ کو نظر انداز بھی کر لیا جائے تب بھی شریعتِ اسلامی نے شدید ضرورت کے بغیر مَردوں کو غیر محرم عورتوں کی طرف اور عورتوں کو غیر محرم مردوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا ہے، چاہے غیر محرم کی طرف یہ دیکھنا براہِ راست ہو یا تصویر اور ویڈیوز کی صورت میں، ہر حال میں منع ہے۔ لہٰذا مَرد حضرات کے لئے ٹیلی ویژن پر آنے والی خواتین کو دیکھنا اور خواتین کے لئے ٹیلی ویژن پر آنے والے مَردوں کو دیکھنا گناہ ہے اور اِس گُناہ کو گُناہ نہ سمجھنا اِس کو اور بھی عظیم گناہ بنا دیتا ہے۔

(۲) گانے سُننا

قرآنِ پاک کی آیاتِ مبارکہ، احادیثِ نبویؐ اور اجماعِ اُمت سے ثابت ہے کہ آلاتِ موسیقی کا استعمال اور گانے گانا اور سُننا حرام، ناجائز اور گناہ ہے۔ دورِ حاضر میں اِس سلسلے میں بھی بہت غفلت بھرتی جا رہی ہے۔ اِس لئے طالبِ مولیٰ کو ہر ایسی مجلس سے اجتناب کرنا ضروری ہے جس میں موسیقی سُنی یا سُنائی جا رہی ہو۔ اِس ضمن میں چند احادیثِ مبارکہ نیچے درج کی جا رہی ہیں:

(1) فرمایا: ’’اِس اُمت میں بھی زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ (تبدیل) ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہونگے، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! ایسا کب ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: جب گانے والی عورتوں اور باجوں کا عام رواج ہو جائے گا اور کثرت سے شرابیں پی

جائیں گی۔'' (ترمذی)

(2) فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا، طبل (ڈھول) اور طنبور (بانسری) کو حرام کیا ہے، نیز ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔'' (ابوداؤد)

(3) فرمایا: ''عنقریب میری اُمت میں ایسے لوگ پیدا ہونگے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں کو حلال سمجھیں گے۔'' (بخاری)

(4) فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں بانسری، طنبور، صلیب اور اُمور جاہلیت کو مِٹا دوں۔'' (ابوداؤد)

(5) فرمایا: ''دو قسم کی آوازیں ایسی ہیں، جن پر دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت کی گئی ہے، ایک تو خوشی کے موقع پر باجے تاشے کی آواز، دوسرے مصیبت کے موقع پر آہ و بکاہ اور نوحہ کی آواز۔'' (بیہقی)

(مزید تفصیلات کے لئے مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ کی کتاب ''اسلام اور موسیقی'' ملاحظہ کیجئے۔)

(۳) ایک مُشت داڑھی نہ رکھنا

نبی کریم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

''مُشرکوں کی مخالفت کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کٹاؤ۔'' (بخاری شریف)

ایک دوسری جگہ ارشادِ مبارک ہے:

''مونچھیں کٹواؤ، داڑھیاں بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔'' (مسلم شریف)

احادیثِ مبارکہ کے الفاظ، آپؐ کے ذاتی فعل اور صحابہ کرامؓ کی سیرتِ مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم ایک مُشت داڑھی رکھنا ضروری ہے۔ اِسی وجہ سے اہل السنّت والجماعت کے چاروں ائمہ کرام اور دیگر تمام فقہاء و مجتہدین اِس بات پر متفق ہیں کہ دائیں، بائیں اور ٹھوڑی (تینوں جانب) سے کم از کم ایک مُشت داڑھی رکھنا **''واجب''** ہے اور ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا حرام، ناجائز اور سخت گناہ ہے اور اِس کو گناہ نہ سمجھنا، بذاتِ خود سخت گناہ ہے۔ لہٰذا داڑھی کو سنت لکھنے اور کہنے سے عوام الناس کو اِس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ یہ **''واجب''** نہیں ہے۔

(مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ کیجئے: **''داڑھی کا وُجوب''** از حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، **''داڑھی منڈانا گناہِ کبیرہ ہے اور اُس کا مذاق اُڑانا کفر ہے''** مرتب: محمد اقبال قریشی صاحب اور **''اختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم''** از مولانا یوسف لدھیانویؒ)

(۴) شرعی پردہ کو رواج نہ دینا اور مَردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل ملاپ

شریعتِ اسلامی میں عورتوں کو نامحرم مَردوں سے پردہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن پاک کی مختلف آیات اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ رشتہ داروں میں چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد، خالہ زاد، دیور، جیٹھ، بہنوئی، نندوئی، پھوپھا، خالو، شوہر کے چچا، شوہر کے ماموں، شوہر کے پھوپھا، شوہر کے خالو، شوہر کے بھتیجے اور شوہر کے بھانجے سے پردہ کرنا فرض ہے، لیکن عموماً دین دار خواتین بھی اِس کا خیال نہیں رکھتیں اور نہ ہی اِسے گناہ سمجھتی ہیں۔ اِسی طرح مَردوں کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ اپنی نظروں کی حفاظت کریں، نہ

تو غیر محرم خواتین کے ساتھ تنہائی میں بیٹھیں اور نہ اُن سے آزادانہ میل مِلاپ رکھیں بلکہ شرعی حدود کی سختی سے پابندی کریں۔

موجودہ دور میں بہترین بات تو یہی ہے کہ گھروں میں شرعی پردہ کو رواج دیا جائے لیکن اگر ایمان کی کمزوری یا کسی اور وجہ سے یہ ممکن نہ ہو تو مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاط کو کم سے کم رکھنے کی کوشش کی جائے اور اِس اہم حکمِ خداوندی پر عمل نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کے حضور ندامت کا اظہار اور استغفار کرنا چاہیے۔ جب تک خاندان میں شرعی پردہ کے حکم پر عمل درآمد شروع نہیں ہوتا، تب تک سِلسلہ میں بیعت حضرات اور عام مسلمان اپنی ذات سے ابتداء کر کے غیر محرم خواتین و حضرات سے گھر کے اندر اور باہر دونوں جگہ اپنی نظر کی حفاظت کریں اور شدید ضرورت و مجبوری کے بغیر مخلوط ماحول سے مکمل اجتناب کریں۔

(۴) حرام ذرائع آمدن

کچھ ذرائع آمدن ایسے ہیں جن کو شریعتِ اسلامیہ نے حرام قرار دیا ہے لیکن اِس کے باوجود بعض لوگ اِن کو اختیار کیے ہوئے ہیں، مثلاً:

☆ روایتی سودی بینکوں میں نوکری کرنا (۱)

(۱) علمائے کرام کے متفقہ فتویٰ کے مطابق روایتی سودی بینکوں میں ہر قسم کی نوکری کرنا قطعاً حرام ہے، البتہ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کی رائے کے مطابق بینک کی نوکری کرنے والوں میں جو حضرات براہِ راست سودی معاملات میں ملوث ہیں، اُن کی تنخواہ تو سودی لین دین میں مدد کرنے کی وجہ سے قطعاً حرام ہے، لیکن وہ لوگ جو اِن سودی معاملات میں براہِ راست شامل نہیں مثلاً ڈرائیور، چپڑاسی وغیرہ تو اُن کی تنخواہ کو حلال کہنے کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ عثمانی: جلد سوم، صفحہ ۳۹۵)

☆ روایتی انشورنس اور لیزینگ کمپنیوں میں ملازمت کرنا(۱)
☆ کسی بھی قسم کی ایسی لین دین کرنا جس میں سود، جوا اور قمار کا عُنصر شامل ہو
☆ اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا

اللہ تعالیٰ کی رضا اور معرفت کے طالب کو مشکوک ذرائع آمدن اختیار کرنے سے ہر حال میں اِجتناب کرنا ضروری ہے اور اس کے علاوہ اگر کسی دوست یا رشتہ دار کے ذرائع آمدن مشکوک یا واضح طور پر حرام ہوں تو اُن کے گھر میں کھانے پینے سے بھی احتیاط لازم ہے، کیونکہ انسان کے اعمال پر حرام غذا کا شدید منفی اثر پڑتا ہے۔

چوتھی وجہ: ظلم کرنا

کسی کو تکلیف پہنچانا یا کسی کا دِل دُکھانا بھی اللہ کی رحمت سے دوری کا سبب بنتا ہے۔ والدین، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دیگر متعلقین کو تکلیف پُہنچانے اور اُن کے حقوق ادا نہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کبھی اپنا خصوصی تعلق نصیب نہیں کرتا۔

پانچویں وجہ: عُجب و کبر میں مبتلا ہونا

خود کو نیک اور پاک سمجھنا اور اپنے آپ کو پسندیدہ نظروں سے دیکھنا عُجب کہلاتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کے دربار میں افضل اور بہتر اور دوسروں کو مردود اور کم تر سمجھنا ''تکبّر'' کہلاتا ہے۔ رُوحانی بیماریوں میں ''عُجب'' اور ''کِبَر'' دو ایسی بیماریاں ہیں جو عام

(۱) کچھ عرصہ سے روایتی انشورنس کے مقابلے میں اسلامی تکافل کا نظام عمل میں لایا گیا ہے، جس کے جواز پر حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کا فتویٰ بھی موجود ہے، البتہ علمائے کرام کا ایک گروہ اِس کو بھی جائز نہیں سمجھتا۔ عوام الناس کے لئے مناسب یہی ہے کہ جس عالم کے تقویٰ اور علم پر اعتماد ہو اُس کے فتویٰ پر عمل کریں مگر علمائے کرام کے ادب اور احترام کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

مسلمانوں کے لئے تو یقیناً نقصان دہ ہیں لیکن سلسلۂ طریقت کے سالکین کے لئے تو خاص طور پر زہر قاتل ہیں۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ تمام احکامات کے ادا کرنے اور گناہوں سے پرہیز کرنے کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھے، اپنی خامیوں کو مدِنظر رکھے، دوسروں کو حقیر نہ سمجھے اور اپنی اچھی حالت پر اللہ کا شکر ادا کرے اور ساتھ ساتھ استغفار بھی کرتا رہے۔ اگر کسی کو دین کی دعوت بھی دے تو خود کو کم تر اور مخاطب کو اپنے سے بہتر سمجھ کر دعوت دے۔

چَھٹی وجہ: غلط صُحبت (Company)

اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور اپنی اصلاح کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے اور مجالست اختیار کرنے سے مکمل پرہیز کریں:

☆ جن کے عقائد درست نہ ہوں ☆ جو صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیت کی تحقیر و تنقیص کرتے ہوں

☆ جو تصوف کے سلسلوں سے بدظنی اور بدعقیدگی رکھتے ہوں

☆ جو دِن رات گناہوں میں مبتلا ہوں یا جن کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف دُنیا کمانا ہو۔

(البتہ اگر دین کی دعوت یا کوئی اور دینی مصلحت پیشِ نظر ہو تو مندرجہ بالا حضرات کے ساتھ بقدرِ ضرورت مجالست اختیار کی جا سکتی ہے۔)

ساتویں وجہ: بے ادبی اور بدگمانی

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اِس راہ (یعنی تصوف وسُلوک) میں گناہ کرنے سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا بے ادبی کی وجہ سے پہنچتا ہے۔ چُنانچہ مُرید کے زوال کی ایک بنیادی وجہ اپنے شیخ کی بے ادبی ہے۔ ادب، راحت پہنچانے کا دوسرا نام ہے۔ شیخ کے سامنے اُونچی آواز میں بات کرنے، شیخ کی بات کاٹنے اور ایسے انداز میں بیٹھنے سے، جو بظاہر خلافِ ادب ہو، گریز کرنا چاہیے۔ سب سے نقصان دہ بے ادبی وہ ہے جس کی اطلاع شیخ کو بھی ہو جائے اور اُن کے دِل میں مرید کے لئے کدورت اور ناراضگی پیدا ہو جائے۔ اِس کے علاوہ اپنے شیخ کے قول وفعل پر بلا کسی شرعی وجہ اعتراض کرنا اور اُن کے کمال اور طریقۂ تربیت پر شک کرنا بھی مُرید کے لئے یقیناً محرومی کا سبب بنتا ہے۔

آٹھویں وجہ: مُرشِد کے بتائے ہوئے اذکار و مراقبات اور ہدایات پر عمل نہ کرنا

اپنے شیخ کے بتائے ہوئے وظائف ومُراقبات کی پابندی بہت ضروری ہے۔ اِس کے علاوہ اِس راہ میں مُرید کو اپنے تمام حالات شیخ کو بتا کر اور اُن سے راہنمائی لے کر اُن پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے، ورنہ اصلاح نہیں ہوتی۔

نویں وجہ: اتباعِ سنت کی کمی

اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے بنیادی شرط اتباعِ سنت ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات الغرض تمام شعبوں میں سرکارِ دو عالمؐ کی سنتوں پر عمل کرنا ضروری ہے ورنہ کامیابی کا تصور بھی نہیں کرنا چاہیے۔

دسویں وجہ: شیخ سے رابطہ میں کمی

اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری اور گناہوں سے پاک زندگی گزارنے کے لئے ''مرشد'' کی رہنمائی نہایت ضروری ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے ''وَاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَىَّ'' (لقمان:۱۵) یعنی اُن کی پیروی کرو جو میری طرف رجوع کر چکے ہیں۔

کسی متبع سنت شیخ سے بیعت کرنے کے بعد مُرید کے لئے ضروری یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ سے زیادہ سے زیادہ رابطہ رکھے اور اُن کی زیادہ سے زیادہ صحبت **(Company)** اختیار کرے۔ اگر آمد ورفت میں کسی وجہ سے کمی آجائے تو بذریعہ خط یا ٹیلیفون رابطہ قائم رکھے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ شیخ سے مضبوط رابطہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہے۔ اِس کے علاوہ بیعت ہونے کے بعد کچھ عرصے تک دیگر بزرگوں کی مجالس میں آمدورفت کم کر کے صرف اپنے شیخ کی صحبت کو ترجیح دینی چاہیے، کیونکہ مختلف بزرگوں کے پاس آنا جانا یکسوئی اور توجہ کو متاثر کرتا ہے اور تمام محققین اِس بات پر متفق ہیں کہ ''کامل نفع'' کے لئے ''کامل یکسوئی'' ضروری ہے۔ جب اپنے شیخ سے کامل مناسبت

نصیب ہو جائے یا جب شیخ مناسب سمجھے تب دُعا اور برکت کے حصول کے لئے دیگر بزرگوں کے پاس جانے میں کوئی برائی نہیں۔

اِس کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے بار بار اپنے شیخ کی محبت مانگنی چاہیے، کیونکہ شیخ سے والہانہ محبت ہی روحانی ترقی کا سبب بنتی ہے۔ شیخ سے محبت میں جس قدر کمی ہوتی ہے، اُتنا ہی زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔ شیخ سے محبت کی برکت سے نبی کریم ﷺ کی محبت نصیب ہوتی ہے اور نبی کریمؐ کی محبت کی برکت سے اللہ اپنی محبت نصیب فرما دیتا ہے۔

گیارہویں وجہ: لوگوں سے زیادہ میل جول اور کثرتِ کلام

''طالبِ مولیٰ'' کو تمام فضول قسم کی محفلوں سے اجتناب کرنا چاہیے، البتہ ضرورت کی حد تک شرعی حدود میں رہتے ہوئے نیک بندوں اور رشتہ داروں کی مجالس میں شرکت کی اجازت ہے تاکہ معاشرتی حقوق کی ادائیگی ہو سکے۔ اِس کے علاوہ کثرتِ کلام کی عادت سے چھٹکارا حاصل کر کے بے مقصد کلام سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

مندرجہ بالا فہرست میں غیبت، جھوٹ اور وراثت میں رشتہ داروں کو حق نہ دینے جیسے قبیح اعمال کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

﴿اللہ رب العزت ہم سب کو اپنی رضائے کاملہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین﴾